پیمان وفا

مومنہ جمیل

پاک سوسائٹی کے تحت شائع ہونے والے ناول " پیمان وفا " کے حقوق طبع و نقل بحق ویب سائٹ Paksociety.com اور مصنفہ (مومنہ جمیل) محفوظ ہیں۔

کسی بھی فرد، ادارے، ڈائجسٹ، ویب سائٹ، ایپلیکیشن اور انٹرنیٹ کسی کے لئے بھی اس کے کسی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹیوی چینل پر ڈرامہ و ڈرامائی تشکیل و ناول کی قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر (پاک سوسائٹی) سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی اور بھاری جرمانہ عائد کرنے کا حق رکھتا ہے۔

وہ رات کے تیسرے پہر ٹیرس پر موجود سرد برفیلی ہواؤں کے وار سہتے ہوئے ساتویں سیگریٹ کا کوئی چوتھا کش لگا رہا تھا۔ ایسا نہیں تھا۔ کہ وہ کوئی چین سموکر تھا۔ یہ محض اس کے اندر پکتا سالوں پرانا درد کا وہ لاوا تھا۔ جو سیگریٹ کے دھویں کی صورت اس کے اندر سے نکلتا جا رہا تھا۔ درد کا وہ لاوا جسے اس نے ضبط کی کڑی کنجیوں میں مقید رکھے سالوں نارمل زندگی گزارنے کا ڈرامہ بخوبی رچائے رکھا تھا۔

آج بھی دن بھر وہ سب کو بھرپور خوش ہونے کی اداکاری کے جوہر دکھاتا رہا تھا۔ مگر رات کے اس پہر چاند کی روشنی میں وہ اپنے برف ہوتے دل کو سیگریٹ کے شعلوں سے پگھلانے کی کوشش میں بے حال ہوا جا رہا تھا۔ بلاشبہ وہ احساسات سے عاری شخص ہرگز نہیں تھا۔ وہ اپنے گھر کی رونق، اپنے یاروں کی محفل کا جلتا چراغ تھا۔ اور آج تو وہ ایک ذات کو مکمل طور پر خود سے منسلک کرتے ہوئے۔ اسکی ذمے داری قبول کر کے اسے عمر بھر اپنی سنگت بخشنے کا عہد کر کے لایا تھا۔

یہ اگر کوئی دنیاوی عمل ہوتا تو وہ اس سب سے بے بہرہ بس اپنی ہی ذات کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں ڈوبا رہتا مگر وہ وہ تو اسے خدا اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر اسے اپنے وجود کا حصہ اپنی شریک حیات بنا کر لایا تھا۔ جو اس کے خیال میں یقیناً اس وقت اندر بیٹھی اس کی اس بے رخی پر آنسو بہاتی اسے کوس رہی ہو گی۔ کہ وہ اسے لا کر اب کس طرح سے اس کی ذات کی نفی کر رہا تھا۔ یہ سب اس نے سوچا تھا۔ مگر وہ سب سمجھ کر بھی کچھ سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ کوئی نوعمر نادان لڑکا نہیں تھا۔ جو بھنورے کی مانند پھول پھول منڈلانے سے عار محسوس نہیں کرتے وہ تو ایک چونتیس سالہ تندرست و توانا ایک بھرپور مرد تھا۔ جس کی سوچ مکمل پختہ تھی۔ جس کے جذبے کچی مٹی کے گھروندے ہرگز نہیں تھے۔ البتہ کسی ظالم نے اسکے جذبوں کو، خوابوں کو مطلب پرستی کی بھینٹ چڑھا کر اسکا وجود ریزہ ریزہ ضرور کر دیا تھا۔

اسے بے ساختہ وہ یاد آئی تھی۔ جسے بھولنے کی کئی ناکام کوششوں میں وہ برسوں سے جٹا ہوا تھا۔ وہ کیسے اسے بیچ منجھدھار چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ وہ اس سے نفرت کرنا چاہتا تھا۔ شدید نفرت مگر اس پل اسکا دل گویا پتھر ہو چکا تھا۔ کوئی بھی جذبہ محسوس کرنے سے عاری

اور جسے اس نے تمام تر شدتوں سے کبھی چاہا تھا۔ وہ اپنی زندگی اب نجانے کس کے سنگ بسر کر رہی تھی۔ بے چینی حد سے سوا ہوئی تو اس نے ادھورا جلتا سگریٹ فرش پر پھینک کر پیروں تلے مسل ڈالا ٹھیک اسی طرح جس طرح کبھی ثمن نے اسکی محبت کو ایک ہی وار سے مسل کر اسے چاروں خانے چت کر دیا تھا۔

وہ ایک گہری نگاہ ادھورے چاند پر ڈالتا آہ بھرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا جہاں جانا تو بحر حال لازم و ملزوم تھا۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا سامنے کا منظر اسکی سوچ کے بالکل برعکس ثابت ہوا تھا۔ اسکی نئی نویلی دلہن جسے وہ خیالوں ہی خیالوں میں بارہا روتا بلکتا دیکھ چکا تھا۔ بیڈ پر دراز دنیا و مافیہا سے بے خبر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔

پہلی نگاہ اس پہ ڈالتے ہوئے وہ ٹھٹھکا تھا۔ خوب صورت میک سے سجی غلافی آنکھیں جنہیں پلکوں کی سیاہ لمبی جھالر اور بھی حسین بنا رہی تھی تیکھی ناک اور بن چھوئے نرم معلوم ہوتے پنکھڑی ہونٹ جن پر نفاست سے لگی سرخ لپ اسٹک اس کے حسن کو دو آتشی کر رہی تھی۔ اس پر سے گہری نیند کی بدولت چہرے پر بکھرا معصومانہ سا تاثر وہ بے شک بہت سے عام چہروں میں نمایاں ایک خاص چہرہ تھا۔

اسے وہ یوں پہلی مرتبہ فرصت سے دیکھ پایا تھا۔ اس سے قبل سرسری سی نظر اسکی تصویر پر ڈالی تھی۔ اور پھر نکاح کے بعد چند منٹوں کے لیے انھیں اکٹھا بٹھایا گیا تھا۔ وجہ فوٹو شوٹ تھی۔ اسکی مکمل ارینجڈ میرج تھی۔ گھر والوں کی باہمی مشاورت سے یہ رشتہ طہ پایا تھا۔ وہ بھی گھر والوں کی خواہش کے سامنے سر جھکائے رہا تھا۔ اور اسے اس بات کا بحر حال کچھ پچھتاوا ابھی ہرگز نہیں تھا۔ کیونکہ جسے اس نے چاہا تھا وہ اس سے کوسوں دور تھی۔

جس کی اب خواہش بھی کرنا ایک سیراب کے پیچھے بھاگنے کے مترادف تھا۔ حاصل حصول کچھ نہیں تھا۔

اس کی توجہ اسکے ٹھنڈ سے کانپتے وجود پر پڑی تو تمام تر سوچوں کو جھٹکتے ہوئے قدم قدم چلتا اس کے قریب چلا آیا۔ بیڈ کی پائنتی پر موجود کمبل کو اس پر قرینے سے پھیلانے لگا

جسے اوڑھنے کا تکلف اس نے سوتے وقت ضروری نہیں سمجھا تھا۔ کمبل سے ملنے والی فوری گرمائش سے وہ پل بھر کو کسمسائی اور پھر اگلے ہی لمحے بے سدھ ہو گئی۔ شاید لاہور سے مظفر آباد تک کے دس گھنٹے پر محیط لمبے سفر نے اسے تھکا ڈالا تھا۔ جبکہ فہد تو لمبی مسافتوں کا عادی تھا۔ اکثر و بیشتر اپنی بائیک پر گرد و نواح کے علاقوں کی خاک چھانتے پایا جاتا کبھی ناران تو کبھی منگورا۔

وہ پلنگ کی دوسری جانب سے تکیہ اٹھاتا صوفے پر آکر دراز ہو گیا تھا۔ اس سے قبل کے اس کے ذہن سے محو ہو جانے والے احساسات دوبارہ اجاگر ہونے لگتے اس نے سونے ہی میں عافیت جانتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ حالانکہ وہ جانتا تھا اس کے خیالوں کی مانند اس کے خوابوں میں بھی اسی پری وش کا بسیرا رہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اس وقت مظفر آباد کی سینٹرل لائبریری کی پر شکوہ سفید عمارت کے باہر کھڑا تھا۔ جو مظفر آباد اجک یونیورسٹی سے منسلک تھی۔ جہاں وہ تقریبا پچھلے دو سالوں سے جاب کر رہا تھا۔ ان دو برسوں میں بہت کم ایسا ہوا تھا کہ وہ لائبریری تاخیر سے پہنچا ہو۔ آج بھی وہ بائیک خراب ہونے کی وجہ سے کچھ ہی منٹ لیٹ ہوا تھا۔ موسم خراب تھا اسی لیے اسے پیدل آنے میں دشواری کا سامنا ہوتا تھا گھڑی پہ نگاہ دوڑائی تو وہ پورے آٹھ کا عندیہ دے رہی تھی۔ تیز تیز قدم اٹھاتا لائبریری کے باہر موجود چند سیڑھیوں کو عبور کرتا دروازہ کھولتا جونہی اندر داخل ہوا سامنے سے آتے نسوانی وجود سے ٹکرا کر رہ گیا تھا۔ وہاں موجود کئی لوگوں نے یہ زوردار ٹکراؤ ہوتے دلچسپی سے دیکھا تھا۔ لڑکھڑا کر سنبھلا تو دیکھا سامنے کوئی لڑکی تھیسجس کے ہاتھ سے کاغذوں کا پلندہ چھوٹ کر زمین پر ڈھیر ہو چکا تھا۔

وہ کوفت زدہ سی ہو کر کبھی ماربل لگے فرش پر بکھرے اپنے نوٹس کو دیکھ رہی تھی اور کبھی سامنے موجود نووارد کو جس کی بدولت یہ سارا بکھراوا بکھرا تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا خوبصورت شفون سلک کا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ جو اس پر بے تحاشہ جچ رہا تھا۔ سیاہ ریشمی دوپٹے کو گلے میں لٹکانے کا قصد کر رکھا تھا اور لیئر کٹ بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ جن کی چند لٹیں اس کے چہرے پر بار بار آگرتیں تو وہ انھیں کان کے پیچھے اڑس دیتی۔

فہد کو اپنا دل بے اختیار ہوتا محسوس ہوا تھا۔

وہ کسی بھی عام سیچویشن کی طرح اس سے جھگڑنے کے بجائے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی جابجا بکھرے نوٹس اکٹھے کرنے لگی فہد ہونقوں کی مانند بت بنا کھڑا اسے تکے جا رہا تھا۔

"اب برائے مہربانی میری کچھ ہیلپ کروائیں گیں۔" آپ لڑکی نے نظر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے مخاطب کیا۔ اسکی سریلی مدہوش کرتی آواز فہد کو فورا ہی ہوش دلا گئی تھی۔

"جی جی شیور۔" وہ چونک کر جواب دیتا اس کی مدد کو لپکا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں پلندہ اپنی پہلی حالت میں واپس آچکا تھا۔

"تھینک یو۔" وہ اب مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

"ارے نہیں شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کھوئی کھوئی کیفیت میں بولا۔ "گڈ۔" وہ کھلکھلائی۔

"آپکو کبھی بھی میری ضرورت پڑے میں حاضر ہوں یہیں جاب کرتا ہوں۔" فہد نے عجلت میں اسے پیشکش کی مبادا وہ چلی ہی نہ جائے ۔وہ سر سرے تسلیم خم کی صورت جھکاتی مسکرا کر وہاں سے رخصت ہو گئی۔ وہ شیشے کے دروازے سے اسے یونیورسٹی کی طرف

جاتے دیکھتا رہا نجانے کب تک یونہی گم صم کھڑا رہتا کے کسی نے زور سے اسکے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔ وہ پلٹا تو سامنے کاشف کھڑا مسکراتی آنکھوں سے اسے گھورے جا رہا تھا۔

"کیا چکر ہے فہد بھائی خیر تو ہے نہ۔" اسکے چہرے پر بکھری دھیمی دھیمی مسکان کا خود سے ہی مطلب اخذ کرتے کاشف نے اسے چھیڑا۔ "کاشف تم ادھر ہو آپ۔"

"کیا سمجھے محبت کا پروانہ ہے۔" اس سے پہلے کے وہ بات مکمل کرتا کاشف نے اسے ٹوکا نہیں۔

"میں سمجھا تمہاری آتما ادھر بھی موجود ہے۔"

"اپنا کام نہیں کر رہے تم میرے سر پر کیوں مسلط ہو رہے ہو۔"

"واہ واہ میری ڈیوٹی کی آپ کو بڑی فکر ہے۔ جناب اپنے بارے میں کیا خیال ہے ایک تو آئے دیر سے اور آتے ہی لڑکیاں تاڑنے لگے میری سنگت میں رہتے ہوئے آپ ایسی حرکتیں کر رہے ہیں یہ صلہ ہے میری تربیت کا۔" اسکا کولیگ اور دوست تھا کاشف خاصہ فری تھا۔

"بکواس نہیں کرو اپنے بارے میں تو میرے بہت ہی نیک اعلی و عرفہ خیالات ہیں۔"

"باقی سب تو ایک طرف یہ تمہارے ساتھ جو صبح سویرے حسین اتفاق ہوتے پھر رہے ہیں۔ ان پر مجھے بڑی حیرت ہو رہی ہے سچ میں حادثہ تھا یا پھر جان بوجھ کر ٹکرا گئے خوبصورت لڑکی دیکھ کر۔" وہ سادگی سے آنکھیں گھما گھما کر اسے شکی نظروں سے تولتا فہد کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ وہ اسے پوری طرح سے نظر انداز کرتا اپنے آفس میں چلا آیا۔

"نہ نہ آپ یوں خاموشی سے اپنا رستہ نہیں بدل سکتے بالکل بھی نہیں۔ میری ان گنہگار آنکھوں نے سارا منظر بخوبی دیکھا اور بغور جائزہ بھی لیا ہے۔ آپ جسطرح پتھر کے صنم بنے اس لڑکی کو دیکھے کم تاڑے زیادہ جا رہے تھے میں کیا لائبریری میں موجود ہر شخص نے آپکے دل کا حال پڑھ لیا ہے۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے اس کے آفس میں گھسا چلا آیا تھا۔

"آپ بھول گئے لگتا ہے آپ کا آفس سامنے ہے۔" فہد نے کسی بھی بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ فہد آرام سے اب راکنگ چیئر پر براجمان ہو چکا تھا۔

"زمانے کو اب تک نہیں ہے پتہ اگر ہو گئی تم سے کوئی خطا کہیں شور مچ گیا تو کیا ہو گا کیا ہو گا کیا ہو گا۔" کاشف بے تکلفی سے میز کے دوسری جانب رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر تقریباً دراز ہوتا گنگایا تھا۔

"اب گارڈز آئینگے تو وہی تمہیں یہاں سے نکالیں گیں۔" فہد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ مگر کاشف ہی کیا جو بعض آجائے اسے شرارتی نگاہوں سے دیکھے گیا۔ فہد نے دائیں جانب میز پر موجود انٹر کام اٹھایا تو وہ اس کے کڑے تیور بھانپتے ہوئے ٹھٹھکا۔

"ارے فہد بھائی میں تو مذاق کر رہا تھا۔ جا رہا ہوں ابھی۔" وہ سہمنے کی بھرپور اداکاری کرتا باہر روانہ ہوا۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا تروتازہ ہوئی اس واردات پر غور کرنا ہی چاہتا تھا کہ وہ دروازے کی اوٹ سے دوبارہ برآمد ہوا۔

"ویسے فہد بھائی بھابھی تھی بڑی کمال۔" اس سے قبل کے فہد میز پر سے اٹھا کر کچھ اسے دے مارتا وہ اس کے ارادے بھانپتا فوراً چھو منتر ہو گیا۔ اور اس کی اس نئی نئی کیفیت کو کاشف کی کھلی ڈلی گفتگو نے ایک نئے جذبے اور تعلق سے روشناس کروایا تھا۔ وہ جذبہ جو ازل سے عبد تک قائم و دائم رہنے والا ہے۔ محبت کا جذبہ جو فی الحال اس کے لیے بہت لطیف تھا۔ مگر وہ اس میں چھپی آگ کی لپٹوں سے ہر نئے عاشق کی طرح بے خبر ہی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے روز وہ وقت سے کچھ دیر پہلے ہی سینٹرل لائبریری آپہنچا تھا۔ اور تمام تر شدتوں سے اس ماہ روح ماہ جبیں کا منتظر تھا۔ جو پل بھر میں اسکی سوچوں کو منتشر کر کے جانے کہاں چھپی بیٹھی تھی۔ انتظار کا لمحہ لمحہ بھاری لگنے لگا تھا۔ مایوسی میں گھرا وہ یونہی ریک میں سجی کتابوں کے نام پڑھتا چکر کاٹنے لگا تھا۔ "حصار محبت" اس کی نگاہ کتاب کے ٹائٹل پر جم سی گئی تھی۔ اور پھر جیسے کوئی معجزہ ہوا تھا۔ وہ لڑکی کہیں سے آموجود ہوئی تھی۔ اور پہلی فرصت میں اس نے اسی کتاب پر ہاتھ رکھا تھا۔ جس پر نظر جمائے جانے وہ کونسی پی ایچ ڈی کی تیاری میں تھا۔ فہد کو بھی اپنے گرد محبت کا ان دیکھا حصار بندھتا محسوس ہوا تھا۔

"اوہ ہیلو! آپ۔" وہ جونہی پلٹی اسکی نظر فہد کی نظروں سے ٹکرائی تھی اس نے فوراً ہی اسے مخاطب کر لیا تھا۔ فہد نے خوشدلی سے مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

"وہ کل دراصل میں آپ سے ٹکرا گئی تھی۔ ہاتھ میں نوٹس تھے پن اپ نہیں کیے جلدی میں تھی اس لیے معذرت نہیں کر سکی تھی۔

"وہ کل پیش آئے واقعے کے بارے میں وضاحت دینے لگی۔

"ارے نہیں نہیں میری بھی غلطی تھی۔ میں نے ہی دروازہ احتیاط سے نہیں کھولا تھا۔" شاید اسنے فوراً ہی تردید کی۔

"بہت اچھے ہیں آپ اور کافی سے زیادہ سویٹ بھی۔" وہ اسکی جانب گہری مسکراہٹ اچھالتے ہوئے اسے سراہ رہی تھی۔ فہد کو لگا فضا میں رنگ چھلکنے لگے ہوں جیسے۔

"ویسے آپ یہاں پڑھتے ہیں۔" ثمن نے پوچھتے ہوئے مزید کتابوں کی کھوج میں آگے قدم بڑھائے۔

"پڑھتا تھا۔" اس نے 'تھا' پر زور ڈالا۔ "یہیں اجک یونیورسٹی سے ایم۔ اے۔ ہسٹری کیا ہے۔ اب یہاں جاب کرتا ہوں۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"کونسی کتاب چاہیئے آپکو۔" اسکی ادھر ادھر بھٹکتی نظروں کو محسوس کرتے فہد نے دریافت کیا۔

"ٹوائلائیٹ انگلش ناول ہے۔" اس نے بتایا۔

"وہ تو میرے خیال سے کل ہی کوئی لے کر گیا ہے۔ آپ مجھے نمبر دے دیں اپنا جونہی کتاب واپس آئی میں آپکو اطلاع کر دوں گا آپ آکر لے جایئے گا۔"

"کیوں نہیں ویسے بہت خوش قسمت ہیں آپ آپ کے پاس پوری کی پوری زنجبیل ہے۔"

"مطلب۔" وہ ناسمجھی کے عالم میں سراپہ سوال بنا۔

"زنجبیل یعنی علم کا خزانہ آپکے پاس تو علم کا اتنا خزانہ ہے اس سے جی بھر کر استفادہ حاصل کیجئے گا آپ۔" اسے آسان لفظوں میں سمجھاتی اپنے ہینڈ بیگ سے کاغذ پین نکال کر وہ اپنا نمبر درج کرنے لگی۔

"ہششش! یہ لائبریری ہے براہ کرم خاموش رہیئے اور خاموشی کی گفتگو کریں یوں بھی خاموشیاں آواز ہیں۔" انھیں ٹوکتے ہوئے کاشف کی آنکھوں میں شرارت چھپی تھی۔

"آئی۔ ایم۔ سوری کیا ہم باہر چل کر بات کر سکتے ہیں۔" خجل سا ہو کر فہد نے اس سے معذرت کی۔

"ویسے اسکی کوئی خاص ضرورت تو نہیں مگر کوئی مضائقہ بھی نہیں۔" وہ کچھ سوچ کر کہتی فہد کی آنکھوں میں جلتی جوت کو مزید بڑھکا گئی۔ ثمن نے باہر کی جانب قدم بڑھائے تو فہد نے بھی اس کی تقلید کی وہ دونوں لائبریری اور یونیورسٹی سے منسلک مشترکہ لان میں چلے آئے تھے۔ جہاں ہر سو ٹھنڈی چلتی ہواؤں کا راج تھا۔ اس نے اپنا نمبر فہد کو تھما دیا تھا۔

"اسے میں کس نام سے سیو کروں موبائل پہ۔" وہ بے ساختہ ہی پوچھ بیٹھا۔

"دیکھیں کتنی بیوقوف ہوں میں اب تک آپکو نام ہی نہیں بتایا اپنا اور بس باتیں کیے چلی جا رہی ہوں۔" وہ اپنی ہی نادانی پر کھلکھلائی۔

"ثمن نام ہے میرا ثمن خان۔ میں اسلام آباد سے یہاں آئی ہوں بطور خاص تعلیم کے سلسلے میں یہیں رہتی ہوں ہاسٹل میں۔ اس نے اپنا تفصیلی تعارف کروایا۔

"ویسے اب میری کلاس کا وقت ہو چکا ہے تو باقی باتیں ہم پھر کر لیں گے۔" وہ کہتی ہوئی یونیورسٹی کے احاطے کی طرف بڑھ گئی۔ اور وہیں کھڑا اسکے نام کو اپنے نام سے جوڑنے میں مصروف رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح سویرے جب آرزو کی آنکھ کھلی تو پہلی نگاہ سفید چھت پر تقریباً جام ہو چکے پنکھے سے جا ٹکرائی۔ جس کو اس برفیلے موسم میں چلانے کا دور دور تک تصور ہی نہیں تھا۔ رینگتی ہوئی نگاہ صوفے پر گہری نیند سوئے اپنے شوہر نامدار پر جا ٹھہری تو وہ کرنٹ کھا کر سیدھی اٹھ بیٹھی گزرنے والی رات یاد آئی تو خود کو تاحال عروسی لباس میں سجا سنورا دیکھ کر وہ شدید خفت کا شکار ہوئی۔

"موصوف پتہ نہیں کن خوش فہمیوں میں گھر چکے ہوں گیں جیسے مری جا رہی تھی میں انکے انتظار میں۔" وہ بڑبڑائی حلیہ تبدیل کرنے کی غرض سے بستر سے ایک پاؤں نکالا ہی تھا کہ یخ بستہ فضاوں نے لرزا کر رکھ دیا عزت نفس سے بڑھ کر بحر حال اس کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ہمت مجتمع کرتی بالآخر وہ واش روم میں گھس ہی گئی تھی۔ چند منٹوں بعد جب وہ لوٹی تو سادہ سے گھریلو لباس میں ملبوس تھی دھلا دھلایا چہرہ قرینے سے بالوں کی کی گئی چٹیا وہ خاصی فریش لگ رہی تھی۔ سادگی میں اسکا حسن مزید چمک رہا تھا۔

فہد کی آنکھ کھل چکی تھی۔ وہ ہمیشہ سے سحر خیزی کا عادی رہا تھا۔ اس کے تر و تازہ حلیے کو دیکھ کر لمحے بھر کو پلک جھپکنا بھول ہی گیا تھا۔ آرزو اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتی واپس بستر میں گھس گئی۔

"ویسے ابھی تو سردی کا آغاز ہی ہوا ہے۔" فہد نے بات بنائی وہ پہلی مرتبہ مخاطب تھے۔

"تم میرے کل رات کے رویے کے بارے میں سوچ رہی ہو گی سوچنا بھی تمہارا حق ہے دیکھو ہماری سراسر ارینجڈ میرج ہے۔ اس لیے میں نے سوچا پہلے ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جان لیں سمجھ لیں اس کے بعد ہی کسی بھی رشتے اور نئی زندگی کی شروعات کریں تب تک کیا ہم دوست بن کر نہیں رہ سکتے۔" وہ نہایت نپے تلے الفاظ میں کہہ رہا تھا۔

"دیکھیں میں اتنا جانتی ہوں کہ شوہر ہمیشہ شوہر ہی رہتا ہے کبھی دوست نہیں بن سکتا اور بالفرض بن بھی جائے تو زندگی میں بہت سے مقام ایسے آتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ شوہر بن کر ہی سوچتا ہے دوست نہیں۔ اس لیے کچے رشتوں کو جوڑنے میں وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے پریکٹیکلی سوچا جائے۔ کھرا سا جواب تقریباً آرزو نے اس کے منہ پر دے مارا تھا۔" وہ جو جواب میں فوری ہاں سننے کا یقین لیے بیٹھا تھا اسکو دیکھ کر رہ گیا۔

"مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں آپ مجھے باقی مردوں سے مختلف پائیں گیں کم از کم آزما تو سکتی ہیں۔" اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

"ٹھیک ہے آپ اصرار کر رہے ہیں تو میں اس بارے میں بھی سوچوں گی ویسے دوستی سے زیادہ میاں بیوی کا اپنا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ دکھ سکھ کے عمر بھر کے لیے ساتھی وہی ہوتے ہیں۔ مگر آپ کی اپنی الگ رائے ہے میری اپنی الگ اس لیے مجھے وقت دیں میں آپکے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کروں گی۔" سنجیدہ لہجے میں کہہ کر اس نے بات سمیٹی تو فہد بھی مزید کچھ کہے بنا فریش ہونے چل دیا پیچھے موجود آرزو اس کی باتوں پر توجہ مرکوز کئے معلوم نہیں کیا کیا سوچتی رہی تھی۔ وہ دن خاموشی و بیگانگی کی نظر ہوا تھا۔

اگلے دن ناشتے کے بعد سب ہی گھر والے حال میں آ بیٹھے تھے۔ بارات دور جانے والی تھی اس لیے ولیمہ ایک ہفتے بعد ہونا قرار پایا تھا۔

"آپکی فیوچر پلاننگ کیا ہے۔"تب ہی جنید آرزو سے مخاطب ہوا تھا۔

"بہت اچھے پلانز ہیں پہلے ایم۔اے اردو کرنا ہے۔اس کے بعد اپنی اکیڈمی کھول کر سوئی ہوئی اردو کا جادو پھر سے جگانا چاہتی ہوں جسے لوگ انگریزی کے نشے میں دھت بھول چکے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے بہت منفرد سوچ ہے۔"عباسی صاحب بہو کے خیالات سے متاثر دکھائی دیئے۔

"لیکن میں تو ان کا ہنی مون کا پروگرام جاننا چاہ رہا ہوں کدھر کدھر جانا چاہ رہے ہیں دونوں کچھ ہمیں بھی تو خبر ہو۔"جنید نے اپنے سوال کو مزید واضح کیا۔

"میں نے تو اب تک پورا مظفر آباد ہی نہیں دیکھا مجھے کہیں اور جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"لیکن یہ تو آپ کبھی بھی دیکھ سکتی ہیں آخر کو اب یہیں تو رہنا ہے آپ نے اور پھر فہد بھائی تو یہاں کے چپے چپے سے واقف ہیں۔انکا بھی تو خیال کریں۔یا پھر آپ انکا ہی خیال کر رہی ہیں۔ صرف ان کی بچت کروانے کے چکر میں آپ یہ سب بول رہی ہیں۔"جنید بصد اصرار تھا ساتھ ہی اس نے فہد پر بھی چوٹ کیجو خیالوں میں گم بیٹھا تھا۔فہد کے ذہین میں ایک ہی بات چل رہی تھی۔

"میں تو ہنی مون پر نیویارک ہی جاؤں گی بس میں نے کہہ دیا ہے یہ سارے نادرن ایریاز تو اسی ملک کا حصہ ہیں ہم کبھی بھی جاسکتے ہیں."ثمن نے نخوت سے کہا۔

اس دن نمبر ایکسچینج کرنے کے بعد دونوں میں ٹیلی فونک رابطہ مسلسل ہی قائم تھا۔آئے روز ملاقاتیں بھی ہوتی رہتیں تھیں۔ کبھی وہ لائبریری اس کے آفس چلی آتی کبھی فہد یونیورسٹی چلا جایا کرتا تھا۔لیکن آج پہلی مرتبہ فہد نے اسے باہر کسی ریسٹورینٹ میں لنچ کے لیے انوائیٹ کیا تھا۔اور بنا کسی پس وپیش کے نہ صرف چلی آئی تھی۔بلکہ خاصی خوش بھی دکھائی دے رہی تھی۔فہد کی صحر انگیز شخصیت کا جادو اس کے بھی سر چڑھ کر بول رہا تھا۔فہد نے کچھ ڈرتے اور کچھ امید کا جگنو تھامتے ہوئے ثمن کے لیے اسکا پسندیدہ کیک بنوایا تھا۔جس پر بڑی خوبصورتی سے آئی لو یو کے الفاظ رقم تھے۔وہ اپنے دل کی بات کہہ نہیں پا رہا تھا تو اس نے یہ طریقہ اپنایا تھا۔ کیک پر نگاہ پڑتے ہی وہ ٹھٹھکی تھی۔کچھ پل وہ حیرت اور خاموشی میں گھری رہی تھی۔اور پھر آئی لو یو ٹو کہہ کر اس نے فہد عباسی کی رکی سانس بحال کر دی تھی۔باتوں باتوں میں ثمن نے اسے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

"مگر ثمن میں تو چاہتا ہوں ہم اسی ملک میں اپنی زندگی کے سب ہی یادگار پل ساتھ گزاریں۔ تاکہ کبھی زندگی کے کسی موڑ پر ہم چاہیں تو وہ پل ایک ساتھ پھر سے اسی مقام پر جی سکیں۔"فہد نے **جھجھکتے** ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کیا جسے اس نے قطعی اہم نہیں سمجھا تھا۔

ی "ارسٹینڈرڈ بھی کسی چیز کا نام ہے۔ مطلب کسی کو بتاتے ہوئے شرمندگی تو نہیں ہونی چاہیے کہ ہم ہنی مون پر کہاں گئے تھے۔ اینڈ نیویارک از پرفیکٹ۔" اس نے فوراً اسکی پیشکش رد کر دی تھی مگر فہد کو آج اسکی کوئی بھی بات بری نہیں لگنے والی تھی۔ وہ ماضی کی تکلیف دہ یادوں کے بھنور سے نکل کر حال میں لوٹا تو عباسی صاحب نماز کی غرض سے مسجد روانہ ہو چکے تھے۔

زوجہ عباسی کچن میں مصروف تھیں جبکہ جنید اور آرزو تاحال گفتگو میں مصروف کسی کتاب پر زیر بحث تھے۔ اس نے خاموشی سے اٹھ کر باہر کی رہ لی اسکے جاتے ہی آرزو بھی کچن میں چلی گئی۔

"کھانا میں بناؤں آنٹی۔" اپنی ساس سے مخاطب تھی۔

"ارے میں کر لوں گی بیٹا ابھی تو تمہارے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ بھی نہیں اترا تم آرام کرو یہی تو دن ہیں آرام کرنے کے۔ کا کام کا کیا ہے وہ تو ساری زندگی ساتھ ساتھ ہی چلتے ہیں۔" انھوں نے سہولت سے انکار کیا۔

"آنٹی جی کیا آپ چاہتی ہیں آئندہ زندگی میں ہم میں بھی ساس بہو کے جھگڑے شروع ہو جائیں۔"

"اللہ نہ کرے۔" وہ اسکے عجیب بے تکے سوال پر دہل اٹھیں۔

"تو بس پھر آپ جا کر آرام کریں۔ میں کھانا بناتی ہوں نہ تو روایتی شروعات ہو گی نہ روایتی عام سا انجام ہو گا۔" وہ اسکی الگ سی لاجک پر لاجواب سی ہوتیں کچن اس کے حوالے کرتیں چلیں گئیں تھیں۔ جب کے آرزو نے میدان مارنے کے لیے کمر کس لی تھی۔ دوپہر سب اپنے اپنے کاموں میں جٹے رہے تھے۔ کھانا کسی نے نہیں کھایا تھا اسی باعث اب سب رات کے کھانے پر اکٹھے موجود تھے۔ آرزو میزبان بنی سب کو کھانہ پیش کر رہی تھی۔ تاحال فہد کو کوئی خاص توجہ نہیں دے رہی تھی اس لیے وہ سیلف سروس سسٹم سے کا چلا رہا تھا۔

"بہت زبردست کھانہ بنا ہے آج تو۔" تعریف میں پہل جنید نے کی تھی۔

"کھانا واقعی لذیذ تھا۔" فہد معترف ہوا۔

'کھانا تو آج آرزو نے بنایا ہے۔" امی نے آرزو کو لاڈ سے تکتے ہوئے اطلاع پہنچائی۔

"کیوں بھئی آتے ساتھ ہی ہماری بہو کو کچن میں گھسا دیا۔" عباسی صاحب کچھ حیران سے ہوئے تھے۔ ان کی بیگم نے تو بہو کے لاڈ اٹھانے کے پروگرام ترتیب دے رکھے تھے پھر یہ اچانک بدلاؤ۔

"نہیں انکل میں خود ہی کھانا بنانا چاہتی تھی۔ آخر میرا ہی گھر ہے ویسے بھی یہ میری ذمے داری ہے۔ اور اسے ابھی سے نبھانا چاہتی ہوں۔ ویسے اس میں بھی میرا ہی فائدہ ہے پیٹ سے دل تک پہنچنا چاہتی ہوں آپ سب کے۔" آرزو مسکرا کر سب کے دل جیت گئی تھی۔ اور فہد وہ تو ایک بار پھر سے ماضی کے جھکڑ میں غرق ہو چکا تھا۔

اس دن موسم ضرورت سے زیادہ دلکش تھا ثمن نے اسے میسج کر کے ملنے بلایا تھا۔ اور وہ آفس میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فوراً اپنی ملکہ کے دربار میں حاضر ہوا تھا۔ کیمپس سے کچھ دور یونہی ایک دوسرے کے قدم سے قدم ملاتے وہ نیلم کنارے ٹہلنے لگے تھے۔ اونچے سر تانے کھڑے پہاڑوں پر ہوا کے زور سے سرسبز و شاداب درخت سرمستی کی چادر اوڑھے جھومنے لگے تھے۔ ان کے قدموں سنگ بہتی نیلم کی ندی ان کے عہد و پیمان کی خاموش گواہ تھی۔

"تم ہمیشہ ان حسین موسموں میں میری ساتھی رہو۔ وعدہ کرو۔"

"میں ثمن خان ان کالی گھٹاؤں ان مہکتی فضاؤں اور شور مچاتی اٹھکیلیاں کرتی ان پانی کی لہروں کو گواہ بنا کر فہد عباسی تم سے وعدہ کرتی ہوں۔ تم سے دور جاؤں گی تو مر کر جاوں گی۔" ساتھ ہی گنگناتے لہجے میں قہقہ بلند ہوتا فضا میں الگ ہی سر بکھیر گیا تھا۔ ایک بھرپور دن ایک دوسرے کی سنگت میں گزارنے کے بعد وہ اسے چھوڑنے ہاسٹل تک گیا تھا۔

"ویسے ڈنر کا ٹائم ہے کھانے پر نہیں روکو گی۔" فہد نے ہاسٹل کے گیٹ پر کھڑے ہو کے اس سے پوچھا تھا۔

"ہرگز نہیں کیونکہ میس میں بالکل اچھا کھانا نہیں ملتا۔"

"تو کیا ہوا میں بس چکن شوق سے کھاتا ہوں۔ باہر سے آرڈر کر لیں گیں۔" وہ ڈھیٹ بنا کھڑا رہا" پر مجھے تو صرف سبزیاں اچھی لگتی ہیں۔"

"تو ثمن بی بی کیا تمام عمر مجھے سبزیاں پکا پکا کر کھلایا کرو گی تم۔" اس نے برا سا منہ بنا کر صدمے کا اظہار کیا۔

"لو میں کیوں پکانے لگی مجھے کوئی شوق نہیں کچن میں اپنا وقت ضائع کرنے کا۔ کک رکھیں گیں نا وہ بنائے گا کھانا اب چکن یا سبزی یہ ہم بعد میں ڈیسائیڈ کر لیں گیں۔ اب پلیز جاؤ بہت ہو گیا مذاق وارڈن نے دیکھ لیا تو شامت آجائے گی۔ وہ مسکرا کر اسے الوداع کہہ کر چلا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ لائبریری جا رہے ہیں تو مجھے بھی لے جائیں کچھ بکس چاہئیں۔" آج وہ شادی کے بعد پہلی مرتبہ آفس جا رہا تھا۔ جب آرزو نے فرمائش کی وہ چاہ کر بھی منع نہیں کر پایا تھا۔ آرزو نے اس سے دوستی کے لیے ہامی بھر لی تھی اب وہ تھوڑی بہت ہی سہی بات کرنے لگے تھے۔ وہ گھر سے نکلے تو آرزو نے بڑی سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔

"یہیں پاس ہی تو ہے لائبریری بے شک چادر نہ لیتی تم۔" فہد نے یونہی کہا۔

"نزدیک یا دور سے فرق نہیں پڑتا انسان کی ویلیوز وہی رہتی ہیں ہمیشہ۔ پھر چاہے وہ چار قدم چلے یا سو قدم میری عادت ہے میں گھر سے نہیں نکلتی بنا چادر کے۔" وہ بائیک کی بجائے پیدل ہی چل رہے تھے۔ راستہ دشوار تھا۔ وہ مظفر آباد اپر پلیٹ کا رہائشی تھا۔ ڈھالان سے اترتے کہیں آرزو کا پاؤں پھسلا تھا اس سے قبل کے وہ لڑکھڑا کر زمین بوس ہوتی فہد نے اس کے شانوں سے اسے تھام لیا تھا۔

اس کے بعد وہ پورا راستہ اسکا ہاتھ اپنی ہاتھ کی مضبوط گرفت میں لیے چلتا رہا تھا۔ آرزو کو ایک تحفظ کا سا احساس پہنچا تھا ایسے ہی جیون ساتھی کی تمنا ہر لڑکی کرتی ہے جو اس کے ڈگمگاتے قدموں کا سہارا بنے اسکا ہر پل ہر گھڑی خیال رکھے کتنے ہی پل آرزو اسے دیکھے گئی تھی۔ جو سامنے دیکھتا احتیاط سے اسے ہمراہ لیے چل رہا تھا۔ اسے لگا یہ شخص زندگی میں کبھی اسے گرنے نہیں دے گا ہمیشہ اسکا سہارا بنا کھڑا رہے گا۔ فہد ایک بار پھر سے آرزو اور ثمن کا موازنہ کرنے میں مصروف ہو چکا تھا۔

آج یونیورسٹی میں فیشن شو کا انعقاد ہوا تھا۔ ثمن شوز ٹاپر تھی۔ فہد کو اس بات پر شدید اعتراض ہوا تھا۔

"ہونہ تم وہی روایتی مرد جو بس عورت کو اپنی مردانگی و غیرت کے زعم میں زنجیروں میں جکڑ کر رکھنا چاہتے ہیں۔ اسے اپنی خواہش کا غلام بنانا چاہتے ہیں مگر کان کھول کر سن لو میں دبنے والی لڑکی ہر گز نہیں ہوں اور جو میرے من میں آئے گا میں وہی کروں گی۔" فہد کے روکنے پر ثمن نے اسے خوب کھری کھری تو سنا ڈالیں تھیں۔ پھر اسکے بارہا سمجھانے پر بھی وہ نہیں مانی تھی۔ تنگ آکر وہ اس سے خفا ہو گیا تھا۔ مگر وہ پھر بھی بعض نہیں آئی تھی۔ اپنے من کی کر کے رہی تھی۔ ہفتہ بھر ہو گیا تھا۔ ان دونوں کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ اسے کل سے کال کر رہی تھی مگر وہ شدید غم و غصے کا شکار تھا۔ چاہتے ہوئے بھی اس نے کال نہیں اٹھائی تھی۔ اور اس سے اگلے روز ہی وہ اسکی بربادی کا سامان کیے اس سے ملنے چلی آئی تھی۔

"میری منگنی کر دی ہے گھر والوں نے۔" آتے ہی اس نے دھماکہ کیا تھا۔

"مگر ایسے کیسے تم سے پوچھے بنا۔" فہد کے صحیح معنوں میں ہوش اڑے۔

"مجھ سے پوچھا تھا پر میں کچھ کہہ ہی نہیں پائی کیسے کہتی اور کیا کہتی میرا منگیتر دوبئی میں رہتا ہے۔ اوپر سے میری پھپھو کا بیٹا ہے۔ اور تم ایک معمولی لائبریرین کے سوا ہو کیا میرے گھر والے کبھی نہیں مانیں گیں۔" ثمن یہ سب کہتی بدلی ہوئی کوئی اور ہی لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔

"یہ سب تمہیں پہلے دن سے معلوم تھا تم جانتی تھیں میں کیا ہوں اور کیا نہیں۔ مجھ سے عشق کی پینگیں بڑھاتے ہوئے تمہیں یہ یاد نہیں آیا کہ میری حیثیت کیا ہے۔" خودداری پر وار فہد سے سہا نہیں گیا تھا وہ دبی دبی آواز میں چلایا تھا۔

"ہاں پتہ تھا مگر مجھے لگا میں گھر والوں کو منالوں گی۔ مگر میں اب ایسا نہیں کر سکتی کس بل بوتے پر تمہاری خاطر سب سے لڑ جاؤں جبکہ اب میں یہ بھی جان چکی ہوں کس قسم کی گھٹی ہوئی تنگ سوچ کے مالک ہو تم۔ اور سچ بھی یہ ہی ہے میں خود اب تم سے کوئی تعلق رکھنا

نہیں چاہتی میں تم سے آخری بار ملنے اور تمہیں بتانے آئی ہوں میں اب میں واپس جا رہی ہوں۔ اور واپس کبھی نہیں آوں گی جلد ہی شادی ہے میری اب تم مجھے بھول جاؤ تو ہی تمہارے لیے اچھا ہو گا یوں بھی زندگی کسی کے لیے بھی رکتی نہیں ہے۔" وہ اپنی کہہ کر جا چکی تھی اور وہ پتھر بنا کھڑا اسے مزید ایک لفظ نہیں کہہ پایا تھا۔ وہ چیخنا چاہتا تھا چلانا چاہتا تھا اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے۔ وہ اس کے بغیر کیسے جیئے گا مگر وہ کچھ بھی سننے کے لیے رکی کہاں تھی اسے تو بس جانے کی جلدی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مگر پھر بھی منزل سے خود کو دور پا کر وہ کوفت کا شکار ہوئی۔

"بس کچھ ہی دیر کی بات ہے۔ اب تو لمبے سفر کی عادی ہو جاؤ آنا جانا تو لگا ہی رہے گا۔" وہ لمبی ڈرائیو اور تھکان کے باوجود خوشگوار لہجے میں جواب دے رہا تھا۔

"ہاں سو تو ہے مگر چیزوں کی عادت ہوتے ہوتے خود ہی ہو جاتی ہے انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا میں بھی ہو جاؤں گی عادی۔ اچھا میوزک تو چلا دیں۔" اس نے فرمائش کی تو فہد نے فوراً ہی ہاتھ بڑھا کر میوزک سسٹم آن کر دیا۔

اے بہاروں گواہ رہنا اے نظارو گواہ رہنا،

دو دلوں نے زندگی بھر ساتھ رہنے کی قسم کھائی ہے۔

پر سوز آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرانے لگی تھی۔

"وعدے بھی عجیب شہ ہیں لوگ کرتو بہت شوق سے لیتے ہیں۔ مگر جب نبھانے کا وقت آتا ہے تو منہ موڑ جاتے ہیں۔" فہد نے آہ بھرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

"یہ تو وعدہ کرتے وقت انسان کی دلی نیت اس کے خلوص پر منحصر ہے وہ کتنی سچائی سے وعدہ کرتا ہے۔ وعدہ کرتے وقت اسکی نیت کیا ہے۔ حقیقت کا رنگ دے گا یا پھر وقت آنے پر مکر جائے گا اسی لیے تو وعدوں پر زیادہ بھروسہ نہیں ہے مجھے میں سیدھا عمل پر یقین رکھتی ہوں۔ کسی کو جھوٹی امید دلانے سے تو یہ ہی بہتر ہے کہ سچائی کا کڑوا گھونٹ پلا دیا جائے۔" اس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو فہد دل ہی دل میں متاثر ہوا تھا اور اسے لگا شاید یہی صحیح بھی تھا۔

ثمن اور آرزو کا بارہا موازنہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا۔ کہ اس کے لیے آرزو ہی موزوں تھی۔ ایک بہترین جیون ساتھی کے طور پر وہ دل ہی دل میں کہیں نہ کہیں آرزو جیسی سوچ کی حامل لڑکی کو ہی آئیڈیلائیز کرتا تھا۔ مگر وہ اس سے کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی کی نئی شروعات کرنے سے پہلے اپنی سنگی ساتھی کو اپنے دل میں دبے راکھ ہوتے جذبوں سے بطور خاص آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد فیصلہ آرزو پر ہوتا وہ اسے کھلے دل سے اپنا لیتی ہے یا پھر اسے اپنے قابل نہ سمجھتے ہوئے ٹھکرا دیتی ہے اور اپنی اس سوچ

پر اس نے جلد ہی عمل بھی کر دیا تھا۔ لاہور میں رات کو فارغ ہو کر جب اسے چائے دینے آئی تھی تو فہد نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر روک لیا تھا۔

اور پھر وہ اپنے دل کا ایک ایک درد اس کے گوش گزار کرتا چلا گیا تھا۔ اس نے کھلی کتاب کی مانند اپنا دل کھول کر آرزو کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"میں بے شک تب ثمن سے محبت کرتا تھا۔ اور اتنے سالوں میں اس کے لیے میرے دل میں محبت سے زیادہ رنج صدمہ اور نفرت کے احساسات تھے۔ اس نے محبت کے نام پر گھناؤنا کھیل کھیلا تھا میرے ساتھ۔ وہ ان پاکیزہ جذبوں کی حقدار نہیں تھی اور نہ اب ہے۔ آرزو اور یہ بھی سچ ہے کہ تمہیں جان لینے سمجھ لینے کے بعد مجھے لگنے لگا ہے تم خدا کی طرف سے میرے لیے بھیجا گیا کوئی خاص تحفہ ہو کچھ ہی دن تمہارے ساتھ گزار کہ مجھے زندگی کے زندہ ہونے کا احساس ہونے لگا ہے۔ اور آج میں حقیقت میں سمجھ گیا ہوں کہ کسی کہ چلے جانے سے زندگی ایک جگہ ٹھہرتی نہیں ہاں لیکن یہ دل اور احساسات ہوتے ہیں جو منجمند ہو کر رہ جاتے ہیں جنھیں شاید وقت کی تپش ہی کبھی نہ کبھی پگھلا ڈالتی ہے۔ میرا دل اب صرف تمہارے لیے دھڑکے گا ایسا نہیں ہے کہ ایک دم مجھے تم سے عشق ہو گیا ہے۔ مگر آرزو تم میری وہ تمنا ہو جسے پورا ہونے میں برسوں لگے ہیں۔ تمہارے ہونے سے مجھے زندگی مکمل لگنے لگی ہے۔ تم نے میری بے رونق روکھی زندگی میں محبت اعتماد اور خوشیوں کے رنگ بھر دیے ہیں۔ میں نہیں جانتا تم کیا فیصلہ لو گی مگر میں تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں۔ آنے والے وقت میں میں صرف تم سے محبت کروں گا اور شاید ہمیشہ کرتا رہوں گا۔" اس کے دل میں جو کچھ بھی تھا۔ اس نے سب بیان کر دیا تھا۔

مگر آرزو کچھ بھی کہے بنا سنجیدگی سے آڑی ترچھی سوچوں میں غرق وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ فہد کی وہ رات آنکھوں میں کٹی تھی آج انکا ولیمہ تھا۔ لاہور سے واپسی کے وقت سارا رستہ وہ خاموش رہی تھی فہد چاہ کر بھی کچھ نہیں پوچھ سکا تھا۔ اس کے لیے تو غنیمت تھا کہ وہ اس کے ساتھ جا رہی تھی۔ بڑی دھوم دھام سے ولیمے کی رسم ادا ہوئی تھی۔

"آج تم بہت حسین لگ رہیں تھیں۔" رات کو وہ کمرے میں آیا تو اس نے برملا تعریف کی۔

"شکریہ۔" آرزو کل سے اسے نپے تلے جواب دے کر ہی کام چلا رہی تھی۔ رات کو وہ جلدی سو گئی تھی اگلے دن وہ اور جنید لاؤنج میں بیٹھے لڈو کھیلتے پائے گئے تھے۔ اس نے درمیان میں آکر ساری گیم ہی اٹھا کر پلٹ دی وہ دونوں ہکا بکا سے اسے دیکھے گئے۔

"میرے بغیر کھیلو گے تو ایسا ہی کروں گا۔" وہ بچوں کی طرح منہ بناتا بولا تھا۔ خیر اسے بھی گیم میں شامل کر لیا گیا تھا۔ فہد گیم کا ونر تھا۔ سو جنید نے رٹ لگا ڈالی باہر ڈنر کروانے لے کر چلو اور تو اور آرزو نے بھی شانے اچکا دیئے تو اسے مانتے ہی بنی تھی وہ نک سک سے تیار

رات پی سی ہوٹل پہنچے تھے۔ جنید کو کوئی دوست مل گیا تو وہ اٹھ کر کچھ دیر کے لیے ان کے ساتھ روانہ ہوا فہد کو موقع ٹھیک لگا تھا۔ اس نے ابھی بات کر لینا مناسب سمجھا۔

"آرزو اس دن کے بعد سے تم نے کوئی جواب نہیں دیا کوئی بات نہیں کی اس موضوع پر۔"

"کیا جواب دوں اور کیا بات کروں۔" وہ گہری سانس بھرتی الٹا اسی سے سوال کرنے لگی۔

"کچھ بھی کہو جو تمہارے دل میں ہے جو تم نے سوچا ہے۔" فہد اس سے کچھ بھی سننے کے لیے بے تاب دکھائی دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے سنیں مجھے محبت کے لمبے لمبے دعوے کرنے نہیں آتے نہ ہی کسی قسم کے عہد و پیمان کر سکتی ہوں۔ میں میرے دل میں آپ کے لیے پیار ہے۔ اور ظاہر سی بات ہے اب میں آپ کے ساتھ اپنا گھر بار چھوڑ کر آئی ہوں تو آپ کے ساتھ رہنا ہی چاہوں گی۔ میں نہیں جانتی محبت میں کسطرح قسمیں کھائی جاتی ہیں وعدے کیے جاتے ہیں۔ فہد میں بس وفا کرنا جانتی ہوں اور میں بس اتنا ہی کہوں گی میں ہمیشہ آپکی ہو کر رہوں گی آپ سے وفا ہی میرا آپ سے گہرا ترین بندھن ہو گا۔" وہ ہمہ تن گوش تھا اس لگا وہ بے تحاشہ پیار ابولتی ہے اور کچھ اس کے لفظوں نے فہد کو ایک الگ سا ہی اطمینان بخشا تھا۔

ان دونوں کے لب مسکرا رہے تھے اس سے قبل کے وہ مزید کوئی بات کرتے جنید واپس آچکا تھا۔

"ہیلو کباب میں ہڈی اب آ موجود ہوئی ہے جسے جتنی بھی قباحت ہو برداشت تو کرنا ہی پڑے گا۔" اسے نے آتے ہی ان پر چوٹ کی تو آرزو کھلکھلا کر ہنس دی فہد کی نظریں آرزو کے چہرے کا طواف کرتی ہوئیں ان ک میز کے ساتھ ہی کھڑکی سے اندر جھانکتے چاند پر ٹھہر سی گئی تھی ۔ وہ چاند جواب پورا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شُد

آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔